آؤ مل کر کام کریں

فرض تعلیم عام کریں

خیر الناس من ینفع الناس

لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کیلئے نفع کا باعث ہو

(حدیث)

خطبہ جمعۃ المبارک

خصوصی کاوش

جماعت علماءِ اہلسنت لاہور

رابطہ نمبر

0308-0453730, 0321-7268527, 0321-7268528

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ زندگی میں اعتدال وتوازن!

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ تَبَارَکَ فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا) صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ الرَّؤُوْفُ الرَّحِیْمُ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ شَانِ حَبِیْبِہٖ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَعَلٰی اٰلِکَ وَ اَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ
اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ
وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَامَحْبُوْب رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ زندگی میں اعتدال وتوازن!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعلیم کی حیات مقدسہ اور سیرت مطہرہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں اور گوشوں کے بارے میں واضح ہدایات اور رہنمائی مہیا کرتی ہے جس پر عمل پیرا ہو کر دارین میں فلاح وکامیابی کا حصول ممکن ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دینی تعلیمات کے حوالہ سے جملہ احکامات اور عبادات کی ادائیگی کے سلسلہ میں کیے گئے اقدامات میں شریعت کی پاسداری اور اعتدال وتوازن کا حسین امتزاج نظر آتا ہے جو ایک طرف شریعت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں تو دوسری طرف انسانی صحت ومصالح کو بھی متضمن ہیں۔

جو چیز حد اعتدال سے متجاوز ہو جاتی ہے بظاہر کمیت اور مقدار کے اعتبار سے زیادہ ہوتی ہے مگر اس کے تسلسل میں رفتہ رفتہ کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے جو کہ فساد وبگاڑ کے علاوہ شرعی احکامات کی پابندی میں حارج اور نقصان و خسران پر منتج ہوتی ہے اس لیے قرآن وسنت کا مطالعہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل ایسے طریقے سے اوامر کے امتثال کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جس سے اعمال میں انقطاع واستحسار کی نوبت آجائے۔

✪ (کسی بھی دینی یا دنیاوی معاملہ میں افراط وتفریط سے صرف نظر کرتے ہوئے درمیانی راہ کو اختیار کرنا اعتدال کہلاتا ہے۔)

قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ میں اس حوالہ سے بکثرت نصوص وارد ہوئی ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے مختصراس حوالے سے بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے امام وردی کے حوالہ سے باسند نقل کیا ہے۔کہ حسن بن الفضل سے سوال ہوا کہ تم عرب وعجم کی مثالیں قرآن کریم سے نکالتے ہو »خیر الأمور أوساطها« بہترین امور وہ ہیں جن میں میانہ روی اختیار کی جائے۔کی مثال بھی قرآن کریم میں پاتے ہو؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ چار آیات میں یہ مثال بیان ہوئی ہے۔

1) وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا

ترجمہ: اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔(الفرقان:67)

2) وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا

ترجمہ:اورنماز نہ بلند آواز سے پڑھواور نہ آہستہ بلکہ اس کے درمیان کا طریقہ اختیار کرو۔(الاسرا:110)

مذکورہ نصوص سے اعتدال وتوازن کی اہمیت واضح ہورہی ہے مگراس کے باوجود قرآن کریم میں اسراف، حد سے تجاوز اور غلو سے صراحتا ممانعت فرما کر اس طرف اشارہ کردیا کہ ہر حالت میں اعتدال ہی مطلوب ہے۔

اسی طرح احادیث میں بھی تمام امور میں اعتدال وتوازن سے کام لینے کا حکم دیا گیا۔خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات اور معاملات سے بے اعتدالی کو کسی بھی جگہ پسند نہیں فرمایا گیا۔عقائد میں غلو سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تُطْرُونِي، كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا عَبْدُ اللهِ، وَرَسُولُهُ

مجھے اتنا نہ بڑھاوجتنا نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا ہے میں تو محض اللہ کا بندہ ہوں تو تم بھی یہی کہو کہ اللہ کا بندو اور اس کا رسول۔

دینی معاملات میں شدت کی دوصورتیں ہیں: پہلی یہ کہ ایک چیز واجب یا مستحب نہیں ہے اس کو واجب اور مستحب کا درجہ دیدینا۔

اور دوسری یہ کہ ایک چیز حرام اور مکروہ میں سے نہیں ہے بلکہ طیبات میں سے ہے اس کو حرام اور مکروہ کے دائرہ میں لے آنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے جیسا کہ نصاری نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالی نے بھی ان پر سختی کر دی ان پر منجانب اللہ رہبانیت فرض نہیں تھی انہوں نے از خود اپنے اوپر اسے لازم کر لیا اور پھر اس کو نباہ نہ سکے۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات کے وقت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز میں پست آواز میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز میں تلاوت کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیخین سے پست و بلند آواز میں تلاوت قرآت کی وجہ کے بارے میں پوچھا؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اس ذات کو سنا رہا تھا جو سرگوشی کو بھی سن لیتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں سونے والے کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَا أَبَا بَكْرٍ ارْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا «, وَقَالَ لِعُمَرَ: »اخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا«

اے ابوبکر تم اپنی آواز تھوڑی بلند کرو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے عمر تم اپنی آواز تھوڑی پست کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات شیخین کو اعتدال سے کام لینے کا حکم دیا۔

علامہ ابن الملک الکرمانی (م ۸۵۴ھ) لکھتے ہیں:

وهذا يدل على أن الإفراط والتفريط غير محمود

اور اس حدیث نے اس پر بھی دلالت کی کہ افراط اور تفریط ناپسندیدہ ہیں۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ کتب حدیث میں مذکور ہے جو عبادت میں اعتدال پسندی اور توازن قائم کرنے کیطرف رہنمائی کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا عبادت میں اس قدر اشتغال مسلسل ہوا کہ **صوم النهار و قائم الليل** کا عملی مصداق بن گئے اور اسے عادت مستمرہ بنا لیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو فرمایا: "اے عبداللہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو کھڑے ہو جاتے ہو۔ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔ نماز کے لئے

کھڑے ہوتے ہوتو رات کو سویا بھی کرو اس لیے کہ:

فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔

تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے۔اور تیری آنکھوں کا تجھ پر حق ہے۔تیری بیوی اور مہمان کا تجھ پر حق ہے۔

چونکہ اس طرز پر عبادت کی ادئیگی سے دیگر حقوق جو اپنی ذات اور بندوں سے متعلق ہیں ان میں کمی وکوتاہی کا اندیشہ تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس سے منع فرمایا۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ دنیاوی معاملات کو یکسر چھوڑ کر دن رات عبادت میں مشغول تھے حضرت سلمان فارسی کی ان سے مواخات تھی ایک دن وہ ملاقات کے لیے تشریف لائے تو حضرت ام درداء کو پریشان پایا انہوں نے بتایا کہ تمہارے بھائی کو دنیاوی معاملات سے کسی قسم کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔اس پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو درداء کو سمجھاتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «صَدَقَ سَلْمَانُ»

تیرے رب کا تجھ پر حق ہے اور تیری جان کا تجھ پر حق ہے اور تیرے اہل خانہ کا تجھ پر حق ہے اس لئے ہر مستحق کا حق ادا کر۔پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے یہ بیان کیا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سلمان نے سچ کہا۔

ایک اور حدیث میں اعمال صالحہ کی بجا آوری میں دوام اور استمرار اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا۔

يا أيها الناس عَلَيْكُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا تُطِيقُونَ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تملّوا، وإن أحب الأعمال إلى الله ما دووم عليه، وإن قل

اے لوگو تم پر اتنا عمل کرنا لازم ہے جس کی تم طاقت رکھتے ہو کیونکہ اللہ ثواب دینے سے سے نہیں تھکتا جبکہ تم عمل

کرنے سے تھک جاتے ہو اور اللہ کے نزدیک اعمال میں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ عمل ہے جس پر دوام ہو اور اگرچہ وہ عمل تھوڑا ہو۔

امام نووی (م-۲۷۶ھ) نے اس حدیث سے مستنبط کرتے ہوئے لکھا ہے:

وفیه دلیل علی الحث علی الاقتصاد فی العبادة واجتناب التعمق ولیس الحدیث مختصا بالصلاة بل هو عام فی جمیع أعمال البر

اور اس حدیث میں عبادت میں میانہ روی اختیار کرنے اور سختی سے اجتناب کرنے کے بارے میں ترغیب ہے اور یہ حدیث صرف نماز کے ساتھ خاص نہیں بلکہ نیکی کی جمیع اقسام اور انواع کو شامل ہے۔

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو وغیرہ کے لیے پانی لاتے تھے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا مانگو؟ تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ»

اپنے معاملہ میں سجود کی کثرت کے ساتھ میری مدد کرو۔

یہ روایت سجدہ کی اہمیت کو اجاگر کر رہی ہے مگر ایک دوسرے مقام پر سجود میں بھی اعتدال سے کام لینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

«اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ

سجدوں میں اعتدال سے کام لو۔

قابل غور بات یہ ہے کہ شریعت نے صرف عبادات تک ان احکامات کو محدود نہیں رکھا بلکہ عام تعلقات میں بھی اسی فکر کو پروان چڑھایا۔ انسان مدنی الطبع ہے اور دوسرے انسانوں سے معاملات کے دوران دوستی ونفرت کا ہو جانا ایک فطرتی امر ہے۔ بہت سے لوگ حالات کے تغیر اور واقعات کے تبدل سے محبت ونفرت میں شدت اختیار کر جاتے ہیں اس میں بھی اعتدال اور توازن سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

»أَحْبِبْ حَبِيبَكَ هَوْنًا مَا عَسَى أَنْ يَكُونَ بَغِيضَكَ يَوْمًا مَا، وَأَبْغِضْ بَغِيضَكَ هَوْنًا مَا عَسَى أَنْ يَكُونَ حَبِيبَكَ يَوْمًا مَا«

اپنے دوست کے ساتھ میانہ روی کا معاملہ رکھو۔شاید کسی دن وہ تمہارا دشمن بن جائے اور دشمن کے ساتھ دشمنی میں بھی میانہ روی کی رکھو کیونکہ ممکن ہے کہ کل وہی تمہارا دوست بن جائے۔

معلوم ہوا دوستی و دشمنی میں بھی حد سے تجاوز کرنا غلط ہے بلکہ میانہ روی سے تعلقات کو نبھایا جائے۔اسی طرح حالت غم میں کچھ لوگ حد اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں جو کہ شرعا مذموم اور غیر محمود ہے اس بارے میں فرمایا:

»لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الخُدُودَ، وَشَقَّ الجُيُوبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الجَاهِلِيَّةِ«

کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے اپنے چہرے کو پیٹا اور گریبان چاک کیا اور جاہلیت کی سی پکار پکارے

امام ابن بطال لکھتے ہیں: لیس منا کا مطلب وہ ہماری سنت کی پیروی کرنے والا نہیں اور نہ اقتداء کرنے والا ہے اور نہ اس طریقے کو اختیار کرنے والا ہے جس پر ہم ہیں۔اس لیے کہ گال پیٹنا اور گریبان پھاڑنا جاہلیت کے کام ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غم اور خوشی میں اعتدال سے کام لینے کا حکم دیا ہے اور مصائب کے وقت صبر کرنے کی ترغیب دی ہے۔معاشی معاملات میں بھی اعتدال سے کام لینے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

»ما عال من اقتصد«

جس شخص نے میانہ روی اختیار کی وہ محتاج نہیں ہوگا۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

»الِاقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيشَةِ

خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنا معیشت کا نصف سرمایہ ہے۔

اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اعتدال و توازن:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتدال و توازن کے حوالہ سے صرف دوسروں کو احکامات نہیں دیئے بلکہ خود بھی ان پر عمل پیرا ہو کر دکھلایا تاکہ امت کو اعتدال اور توازن کا عملی نمونہ پیش کیا جائے۔

حیات طیبہ سے اعتدال اور توازن کے چند امور کا تذکرہ آپ سے کرتے ہیں:

1) پانی کے استعمال میں اعتدال:

انسان کو طہارت و نظافت کے لیے پانی کے استعمال کی ضرورت رہتی ہے اس بارے میں بھی سیرت رسول ﷺ سے رہنمائی ملتی ہے۔آپ ﷺ وضو اور غسل کے لیے جو پانی استعمال کرتے تھے اس میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھتے تھے نہ بہت کم ہوتا تھا کہ طہارت ہی نہ ہو سکے اور نہ بہت زیادہ کہ اسراف کے دائرہ میں چلا جائے۔چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ بِالۡمُدِّ، وَيَغۡتَسِلُ بِالصَّاعِ

نبی ﷺ ایک مد سے وضو اور ایک صاع سے غسل کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے وضو اور غسل کے لیے جتنی مقدار کو استعمال کیا ہے۔کیا یہ متعین ہے؟ یا اس میں ضرورت کے وقت کمی بیشی ہو سکتی ہے۔بعض اہل علم کے ہاں یہ مقدار متعین ہے جبکہ دیگر اہل علم امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق بن راھویہ رحمھم اللہ علیہ کے ہاں آپ ﷺ کا یہ عمل تحدید کو بیان نہیں کر رہا ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اتنی مقدار کفایت کر جاتی ہے۔امام نووی نے تو اس پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے کہ وضو اور غسل میں پانے کی اتنی مقدار جو کفایت کر جائے مقرر و متعین نہیں ہے بلکہ قلیل و کثیر ہو کر بھی کافی ہو سکتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے اس حدیث سے وضو اور غسل کے لیے پانی کے استعمال میں اعتدال سے کام لینے پر استدلال کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

الاقتصاد فی صب الماء فقد ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

پانی کے استعمال کرنے میں اعتدال سے کام لینا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔وضو میں پانی کے استعمال میں اسراف سے منع کیا گیا ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور وہ وضو کر رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا:

ما هذا السرف یا سعد؟ فقال: أو فی الۡوُضُوءِ سَرَفٌ؟ قَالَ: نَعَمۡ: وَإِنۡ كُنۡتَ عَلَى نَهۡرٍ جَارٍ

یہ کیا اسراف ہے اے سعد؟ عرض کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں اگر چہ تم جاری نہر پر ہی وضو کر

رہے ہو۔

ملا علی قاری علیہ الرحمہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے وضو میں اسراف کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو فعلا کہ وہ تین بار سے زیادہ مرتبہ اعضاء کو دھو رہے تھے یا مقدارا کہ ضرورت سے زائد پانی کو استعمال کر رہے تھے اس لیے آپ ﷺ نے ان کو بطور تنبیہ فرمایا کہ اسراف کوئی اچھی بات نہیں یا ان کو قریب کرنے کے لیے بطور نرمی کے یہ بات ارشاد فرمائی۔ باقی اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ عرض کرنا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کا خیال تھا کہ نیکی اور عبادت کے کاموں میں اسراف نہیں ہوتا۔ اس پر آپ ﷺ نے نعم (ہاں) سے جواب دیا۔ باقی رہی یہ بات کہ نہر جاری میں اس طرح وضو کرنے سے کیسے اسراف ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں وقت اور عمر کا ضیاع ہے یا شرعی حد سے تجاوز کرنا ہے اور دونوں صورتیں اسراف میں آتی ہیں۔

✪ علامہ شرف الدین طیبی نے آپ ﷺ کے فرمان » وإن كنت على نهر جار « کی ایک اور لطیف توجیہ ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان بطور مبالغہ کے ہے کہ جس چیز مثلا نہر میں اسراف اور تبذیر متصور نہیں ہوتا جب اس میں بھی اسراف ہوسکتا ہے تو جن کاموں میں اسراف ہوسکتا ہے ان کی کیا حالت اور کیفیت ہوگی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسراف سے مراد گناہ ہو۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں بھی اس کی ممانعت ملتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: »إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَعْتَدُونَ فِي الطَّهُورِ وَالدُّعَاءِ

میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو پاکی حاصل کرنے اور دعا میں حد سے تجاوز کریں گے۔

پاکی میں تجاوز کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اعضائے وضو کو تین بار سے زائد بار دھوتے رہیں گے یا استنجاء وضو غسل میں پانی کے استعمال میں اسراف کریں گے۔ اور دعا میں تجاوز یہ ہے کہ کسی چیز کی جتنی ضرورت ہے اس سے زائد یا کسی چیز کی حاجت نہیں ہے اس کے بارے میں سوال کرنا۔

2) عبادات میں اعتدال:

نماز اور روزے کے جو فضائل احادیث میں بیان ہوئے ہیں ان کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔مگر یہ بات واضح ہے کہ قرب الٰہی اور حصول تقوی میں ان عبادات سے بڑھ کر کوئی اکسیر نہیں ہے۔مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ان عبادات کی ادائیگی میں بھی اعتدال نمایاں تھا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **وصلاتہ قصدا** ترجمہ:اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نماز معتدل ہوتی تھی۔

حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رکوع کے بارے میں فرماتے تھے:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ اعْتَدَلَ، فَلَمْ يَنْصِبْ رَأْسَهُ، وَلَمْ يُقْنِعْهُ، وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس وقت رکوع فرماتے تو اعتدال کرتے یعنی اپنے سر کو نہ نیچا کرتے نہ اونچا کرتے۔

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سر مبارک اور پشت مبارک برابر رکھتے تھے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

»رَمَقْتُ الصَّلَاةَ مَعَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدْتُ قِيَامَهُ فَرَكْعَتَهُ، فَاعْتِدَالَهُ بَعْدَ رُكُوعِهِ، فَسَجْدَتَهُ، فَجَلْسَتَهُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ، فَسَجْدَتَهُ، فَجَلْسَتَهُ مَا بَيْنَ التَّسْلِيمِ وَالِانْصِرَافِ، قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ«

کہ میں نے رسول اللہ اس ٹیم کے ساتھ نماز ادا کرنے میں غور کیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قیام رکوع اور رکوع کے بعد اعتدال پھر سجدے میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا پھر سجدہ اور اسکے بعد بیٹھنا سلام کے درمیان اور نماز سے فارغ ہونا تقریبا برابر تھے۔

کتب حدیث وسیر میں تین صحابہ کرام کا واقعہ آتا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عبادت کی کیفیت وحالت دریافت کرنے آئے، جب ان سے بیان کیا گیا تو انہوں نے اپنی عبادت کو بہت کم خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہم ان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برابری کس طرح کر سکتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تو اگلے پچھلے گناہ سب معاف ہو گئے ہیں، ایک نے

کہا میں رات بھر نماز پڑھوں گا اور دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور تیسرے نے کہا کہ میں نکاح نہیں کروں گا اور عورتوں سے الگ تھلگ رہوں گا۔ جب یہ باتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

»أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي«

تم لوگوں نے یوں یوں کہا ہے؟ اللہ کی قسم! میں اللہ تعالی سے تمہاری بہ نسبت بہت زیادہ ڈرنے والا اور خوف کھانے والا ہوں، پھر روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، یاد رکھو جو میری سنت سے روگردانی کرے گا، وہ میرے طریقے پر نہیں۔

چونکہ یہ طرز حیات اعتدال سے دور تھا اور اپنے نفوس کو جائز و مشروع حقوق سے جبری محروم کرنا تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روزوں کی کیفیت کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

»كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لاَ يَصُومَ مِنْهُ، وَيَصُومُ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لاَ يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا، وَكَانَ لاَ تَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ، وَلاَ نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتَهُ«

کہ رسول اللہ کسی مہینہ میں افطار کرتے جاتے یہاں تک کہ ہم خیال کرتے کہ رسول اللہ اس مہینے میں روزہ نہیں رکھیں گے اور روزہ رکھتے جاتے اور ہم گمان کرتے کہ آپ اس مہینہ میں افطار نہیں کریں گے اور رات میں اگر کوئی نماز پڑھتا ہوا دیکھنا چاہتا تو دیکھ لیتا اور سونے کی حالت میں دیکھنا چاہتا تو دیکھ لیتا۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نفلی روزوں اور نماز کی ادائیگی میں اعتدال و توازن کو ملحوظ رکھتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

والأحاديث الموافقة لهذا كثيرة في بيان أن سنته التي هي الاقتصاد في العبادة، وفي ترك الشهوات؛ خير من رهبانية النصارى، التي هي: ترك عامة الشهوات من النكاح

وغیرہ، والغلو فی العبادا تصوما وصلاۃ

بہت سی احادیث اس بات کی موافقت میں موجود ہیں کہ عبادت اور خواہشات کے ترک کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میانہ روی ہے جو کہ نصاری کی رہبانیت سے بہت بہتر ہے ان کے ہاں رہبانیت کا مطلب یہ تھا کہ عمومی خواہشات مثلاً نکاح وغیرہ کو بالکل ترک کر دینا اور عبادات، نماز و روزہ میں غلو کرنا۔

3) رفع صوت تلاوت قرآن میں اعتدال:

قران کریم کی تلاوت بڑے اجر و ثواب کی بات ہے لیکن اس انداز میں تلاوت کرنا کہ پاس بیٹھے شخص کو جو دیگر معمولات میں مصروف ہے یا سونے والے کی نیند میں خلل واقع ہو تو یہ شرعاً غیر مناسب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو جب قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو رفع صوت میں بھی حسن اعتدال نمایاں تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْرًا، وَيَخْفِضُ طَوْرًا»

نبی کریم کی رات میں قرآت کبھی بلند آواز سے فرماتے اور کبھی آہستہ آواز میں۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلوت میں بلند آواز میں تلاوت کرنا بھی معتدل انداز میں ہوتا تھا اور جب کوئی سونے والا پاس ہوتا تو پھر آہستہ آواز میں تلاوت فرماتے۔

اس لیے کہ تلاوت قرآن کا ذاتی فائدہ ہے اور بلند آواز سے تلاوت اگر کسی کے لیے تکلیف کا باعث بنے تو ایذاء مسلم کے حرام ہونے کی وجہ سے منع ہے۔

4) خطبہ و وعظ میں اعتدال:

انسانی نفوس کی اصلاح اور قلوب و طبائع کی بہتری کے لیے وعظ و نصیحت اور تذکیر اپنا ایک الگ مقام رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں نصیحت و موعظت کے حوالہ سے بہت سی آیات ہیں لیکن اس کام کے لیے بھی حکمت و دانائی ضروری ہے تا کہ بات موثر اور دلنشین ثابت ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعظ و نصیحت اور خطبہ میں دیگر امور کی رعایت کے علاوہ اعتدال بھی سے کام لیتے تھے کیونکہ طویل گفتگو سے سامعین کے اکتا جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الأَيَّامِ، كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا»

نبی کریم نے ہمارے اکتا جانے کے خوف سے ہمیں نصیحت کرنے کے لئے کچھ دن مقرر کر دیئے تھے۔

امام نووی لکھتے ہیں:

وفی هذا الحديث الاقتصاد فی الموعظة لیلا تملها القلوب فيفوت مقصودها

اور اس حدیث سے معلوم ہوا وعظ و نصیحت میں میانہ روی ہونی چاہے تا کہ دل اکتا نہ جائیں جس سے مقصود فوت ہو جائے گا۔

امام مظہر الدین الزیدانی راوی کی بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كان رسول الله عليه السلام لا يعظنا متواليا كيلا نمل، فلا يؤثر كلامه فی قلوبنا عند ملالتنا، بل يعظنا فيه يوما دون يوم، ووقتا دون وقت، ويطلب وقتا نكون فيه مجموعی الخواطر فيعظنا فيه، و كذلك ليفعل المشايخ والوعاظ فی تربية المريدين

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں مسلسل وعظ نہیں فرماتے تھے تا کہ ہم اکتا نہ جائیں کیونکہ اکتاہٹ کی صورت میں کلام ہمارے دلوں میں پوری طرح موثر نہیں ہوگا بلکہ دنوں کے وقفہ اور مختلف اوقات میں وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور ایسے وقت کا انتخاب فرماتے جس میں ہم پوری دلجمعی سے متوجہ ہوں اسی طرح مشائخ اور واعظین کو چاہیے کہ وہ اپنے مریدوں کی تربیت میں ایسا کیا کریں۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«لَقَدْ رَأَيْتُ، أَوْ أُمِرْتُ، أَنْ أَتَجَوَّزَ فِي الْقَوْلِ، فَإِنَّ الْجَوَازَ هُوَ خَيْرٌ»

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ گفتگو میں توسط اختیار کروں کیونکہ درمیانے انداز میں ہی خیر ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَكَانَتْ خُطْبَتُهُ قَصْدًا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ اعتدال پر ہوتا تھا۔

معلوم ہوا دعوت و تبلیغ اور خطبات میں میانہ روی اور اعتدال سے کام لیا جائے تا کہ لوگ اس سے دور نہ

بھاگیں بلکہ ان کے دل اس بات کے مشتاق ہوں کہ وہ ایسی مجالس میں بار بار جائیں۔

5) خوش طبعی میں اعتدال:

خوش طبعی اور مزاح فطرتاً ہر شخص میں ودیعت رکھا گیا ہے انسان جب کسی کام میں شدید ذہنی اور جسمانی مشقت کرتا ہے تو دل میں خواہش ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو تر وتازہ کرے جس کے مختلف طریقے ہیں جن میں سے ایک خوش طبعی اور مزاح بھی ہے۔ جس سے طبیعت میں انقباض ختم ہو جاتا ہے اور انبساط کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اسلام قطعاً ایسے طرز حیات کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا کہ انسان زاہد خشک بن کر ہر وقت کرختگی اور سختی کے تاثرات لیے پھرے اور اپنے اہل خانہ ودیگر احباب کے ساتھ یہی رویہ اختیار کرے۔ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے اس کے منہ میں لقمہ ڈالنا بھی اجر وثواب کا باعث ہے۔ اور کسی مسلمان کی طرف مسکرا کر دیکھنا بھی صدقہ اور عبادت قرار دیا گیا ہے۔

- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسکرانے کے بارے میں حضرت عبداللہ بن الحارث بن جز فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے اور تبسم فرماتے ہوئے نہیں دیکھا۔ لیکن اس میں بھی اعتدال کا پہلو دیکھنے کو ملتا ہے۔
- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی اس طرح کھلکھلا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ حلق نظر آنے لگے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف تبسم فرماتے تھے۔ لیکن کبھی کبھار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس طرح مسکرانا بھی ثابت ہے کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ لیکن ہر وقت ہنسنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرے کا نور کھو جاتا ہے۔ الغرض اپنے اہل خانہ اور دوستوں کے ساتھ خوش طبعی کرنا بھی سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔

ایک سفر کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا اس وقت سیدہ دبلی پتلی تھیں دوڑ میں جیت گئیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے کچھ عرصہ کے بعد پھر ایک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا اس وقت سیدہ کا جسم کچھ بھر چکا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوڑ میں آگے نکل گئے اور ہنستے ہوئے فرمایا **هذه بتلك** آج کی یہ جیت اس دن کا بدلہ ہو گئی۔

اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے سواری طلب کی جس پر آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں سواری کے لیے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ اس نے عرض میں اس بچے کا کیا کروں گا؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ»

اونٹ کو اونٹنی ہی تو جنتی ہے۔

النوق یہ ناقہ کی جمع ہے اور وہ مادہ اونٹنی کو کہتے ہیں۔ تمام اونٹ چھوٹے ہوں یا بڑے اونٹنی کے بچے ہوتے ہیں۔ اور آپ ﷺ کے اس فرمان کہ میں تمہیں اونٹنی کا بچہ دوں گا اس سے سائل کو وہم ہوا کہ وہ تو سواری کے قابل نہیں ہوگا تو اسے لینے کا کیا فائدہ؟ جبکہ آپ ﷺ کی بات کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسے کوئی چھوٹا بچہ دوں گا بلکہ مزاحاً یہ بات ارشاد فرمائی جب کہ مقصود بڑا اونٹ ہی تھا جو اس کی سواری کے کام آتا باقی آپ ﷺ کی اس بات سے اس طرف بھی اشارہ ہوا کہ اگر وہ شخص آپ ﷺ کی بات میں غور کرتا تو اسے یہ کہنے کی نوبت ہی نہ آتی اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کسی بات کو سنتے ہی اس کی تردید اور سوالات میں نہ پڑ جائے بلکہ اس میں غور وفکر کرے۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خوش طبعی کرتے ہوئے فرمایا:

یا ذا الأذنین اے دو کانوں والے۔

آپ ﷺ کا اس جملہ سے مقصود مزاح اور خوش طبعی تھی اور مزید یہ کہ ان کی ذکاوت وفطانت اور پوری توجہ سے بات سننے پر تعریف کا اظہار تھا۔ آپ ﷺ کی خوش طبعی، مزاح اور ظرافت کے بہت سے واقعات ہیں اختصار کے پیش نظر اسی پر اقتصار کیا جا رہا ہے مگر اس بارے میں واضح رہے کہ مزاح حد اعتدال سے متجاوز نہیں ہونا چاہیے اور دوسروں کے لیے باعث تکلیف بھی نہ ہو۔ اسی لیے تو ایک حدیث میں فرمایا:

لَا تُمَارِ أَخَاكَ، وَلَا تُمَازِحْهُ، اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو اور نہ ہی مذاق کرو۔

یعنی ایسا مذاق نہ کرو جو اس کے لئے اذیت کا باعث بنے۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول ﷺ آپ ﷺ بھی تو ہم سے خوش طبعی اور مزاح فرماتے ہیں اس پر آپ ﷺ نے جواباً فرمایا

«إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا» میں اس خوش طبعی میں بھی سچی بات کہتا ہوں۔

معلوم ہوا مزاح ایسا ہو جس میں جھوٹ کی آمیزش نہ ہوں وگرنہ جس شخص نے لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹ بولا اس کے لیے ہلاکت اور تباہی کی وعید بیان ہوئی ہے۔

اس حوالہ سے اہل علم نے نے جن امور کی طرف توجہ دلائی ہے وہ قابل غور ہیں جس سے اس بات کا سمجھنا آسان ہے کہ کونسے مزاح اور مذاق کی ممانعت ہے اور جو مزاح شرعاً مباح ہے اس کے لیے کیا شرائط ہیں۔

امام غزالی نے لکھا ہے اگر کوئی شخص اس مزاح اور خوش طبعی پر قدرت رکھتا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ مزاح میں سچی بات کہی جائے اور کسی کو تکلیف نہ پہنچے اور نہ اس میں مبالغہ سے کام لیا جائے بلکہ کبھی کبھار کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

ولكن من الغلط العظيم أن يتخذ الإنسان المزاح حرفة يواظب عليه ويفرط فيه ثم يتمسك بفعل الرسول صلى الله عليه وسلم

لیکن یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ انسان مزاح کو پیشہ بنا لے اور اس پر مواظبت اختیار کرتے ہوئے حد سے تجاوز کر جائے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل سے دلیل بھی پکڑے۔

مشہور عالم امام نووی لکھتے ہیں:

قال العلماء: المزاح المنهى عنه، هو الذى فيه إفراط ويداوم عليه، فإنه يورث الضحك وقسوة القلب، ويشغل عن ذكر الله تعالى والفكر فى مهمات الدين، ويؤول فى كثير من الأوقات إلى الإيذاء، ويورث الأحقاد، ويسقط المهابة والوقار فأما ما سلم من هذه الأمور فهو المباح الذى كان رسول الله يفعله، فإنه إنما كان يفعله فى نادر من الأحوال لمصلحة وتطييب نفس المخاطب و مؤانسته، وهذا لا منع قطعا، بل هو سنة مستحبة إذا كان بهذه الصفة

علماء نے کہا ہے کہ ایسے مزاح سے منع کیا گیا ہے جس پر دوام ہو اور حد سے تجاوز کی نوبت آجائے اس لیے کہ یہ بات بہت زیادہ ہنسنے اور دل کی سختی کا باعث بنتی ہے اور اللہ تعالی کے ذکر اور دین کے اہم امور میں غور و فکر سے روکتی ہے۔ اور اکثر اوقات اس کا انجام ایذاء اور عناد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اس سے انسان کا رعب و

دبدبہ اور وقار بھی ختم ہو جاتا ہے جو شخص ان باتوں سے خود کو محفوظ رکھ سکے تو اس کے لیے مزاح وغیرہ مباح ہے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بسا اوقات مصلحت کی وجہ سے مزاح فرماتے تھے جس کا مقصد مخاطب کے ساتھ دل گئی اور موانست ومحبت کا اظہار ہوتا تھا اور یہ بالکل منع نہیں ہے بلکہ سنت مستحبہ ہے جبکہ اس صفت کی رعایت رکھی گئی ہو۔

6) کھانے پینے میں اعتدال

ہر شخص کو زندگی کی بقا اور صحت کے حصول کے لیے کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے اگر کثرت طعام کا معمول بنالیا جائے یا ضرورت سے کم پر اکتفاء کو عادت مستمرہ بنالیا جائے تو انسانی صحت کے لیے نہایت مضر ہے۔ لیکن اگر سنت طریقہ کے مطابق کھانا کھایا جائے تو صحت وتندرستی کے علاوہ اس پر اجر وثواب بھی ملے گا۔ اس حوالہ سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غذا معتدل اور سادہ تھی۔

- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی دو دن مسلسل جو کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی تھی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ ایک مرتبہ روٹی کے ایک ٹکڑے پر کھجور رکھی اور فرمایا یہ روٹی کا سالن ہے۔
- حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس روٹی کا ٹکڑا اور سرکہ تھا فرمایا سرکہ بھی عمدہ سالن ہے کھاؤ۔
- ابوسلیمان علامہ خطابی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ کھانے کی اشیاء میں اعتدال ہونا چاہیے۔
- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تربوز کو تر کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے اور فرماتے تھے ہم کھجور کی گرمی کو تربوز کی ٹھنڈک سے اور تربوز کی ٹھنڈک کو کھجور کی گرمی سے دور کرتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ برودت اور حدت میں اعتدال رہے۔
- آپ تین انگلیوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ایک یا دو انگلیوں کے ساتھ کھانا تناول کرنے سے اتمام نہیں ہوگا (کھانا جلدی ختم نہیں ہوگا پوری طرح کھایا بھی نہیں جائے گا اور وقت

زیادہ صرف ہوگا) اور چار یا پانچ انگلیوں سے کھانا منہ کے لیے تکلیف دہ ہوسکتا ہے اس لیے اعتدال تین انگلیوں کے ساتھ ہی کھانے میں ہے۔ الغرض آپ نے امت کو کھانے کے آداب بھی سکھلائے اور ایک مختصر جملہ میں پوری بحث کو سمیٹ دیا فرمایا:

»كُلُوا وَاشْرَبُوا وَالْبَسُوا وَتَصَدَّقُوا، فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ وَلَا مَخِيلَةٍ«

کھاؤ، پیو اور پہنو اور خیرات کرو لیکن اسراف اور تکبر نہ کرو۔

مذکورہ حوالوں سے معلوم ہوا نبی کریم ﷺ کا تمام عبادات اور جملہ معاملات میں نمایاں پہلو حالت اعتدال کو برقرار رکھنا تھا۔ جس پر عمل کرنے کی اشد ضرورت ہے کہ نہ تو عبادات اور معاملات میں بالکل کوتاہی کی نوبت آجائے اور نہ ہی ایسے طریقے سے امتثال کہ دیگر حقوق واجبہ وفرائض متاثر ہوجائیں۔ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم حافظ ابن قیم الجوزیہ کے تبصرے پر بحث کو سمیٹا جاتا ہے۔

أن الاقتصاد والاعتصام بالسنة عليهما مدار الدين

میانہ روی اور سنت کو مضبوطی سے پکڑنے پر دین کا مدار ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن وسنت اور آپ ﷺ کی سیرت سے عبادات سمیت زندگی کے تمام معاملات میں اعتدال اور توازن سے کام لینے کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے متعدد ارشادات عالیہ میں نہ صرف اس کا حکم دیا بلکہ جہاں اعتدال سے تجاوز اور غلو کے اثرات دیکھے تو فوری طور پر اس کی گرفت کی اور سابقہ امتوں کی دین میں غلو کی وجہ سے ہلاکت کی وعیدیں سنا کر ڈرایا۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ خود بھی عمل پیرا ہو کر امت کو تعلیم دی کہ عبادات میں تسلسل اور دوام کے ساتھ ساتھ اعتدال کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ تجربہ اور مشاہدہ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ جو معاملات حد اعتدال سے متجاوز ہوجائیں وہ اپنی اصلی شکل اور حیثیت کھو دیتے ہیں بسا اوقات تو وہ امور جاری رکھنے ہی دشوار ہوجاتے ہیں اس لیے خالق کائنات اور اس کے حبیب مصطفیٰ ﷺ نے اس حوالہ سے واضح ہدایات اور احکامات دیے جن پر عمل پیرا ہو کر سعادت دارین کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

(اگلا آخری پیج بھی ضرور پڑھیے)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ جماعت علمائے اہلسنت لاہور کے زیر اہتمام جید علمائے کرام اور مفتیان عظام کی سرپرستی میں جمعۃ المبارک کے خطبات بڑی محنت سے تیار کیے جاتے ہیں۔ ہمارا مقصود صرف اللہ ورسول ﷺ کی رضا اور انکے پیغام کو اسکے بندوں تک پہنچانا ہے۔ یہ جتنا بھی کام ہے فقط اللہ ورسول ﷺ کا فضل واحسان ہے اور اس میں جتنی بھی کمی یا کوتاہی ہے وہ ہم ناقص لوگوں کے سبب ہے۔آپ خطبہ جمعۃ المبارک کا مطالعہ فرمائیں اور اسکو زیادہ سے زیادہ اللہ ورسول کی رضا کیلئے دوسروں کا بھیجیں اور جو غلطیاں یا قابل اصلاح عمل ہو اسکی بہتری کے لیے نیچے دیے گئے رابطہ نمبرز پر ہماری اصلاح فرمائیں۔اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں اللہ پاک آپکا حامی وناصر ہو۔

والسلام مع الاکرام

اراکین شعبہ نشر واشاعت جماعت علمائے اہلسنت لاہور

0321-7268528	0321-7268527	0308-0453730